خلافت راشدہ　　　　یااللہ مدد　　　　حق چار یارؓ

وھو المستعان

قرآنی وضو

الفاروق کا وضو نمبر

آیت وضو کی تفسیر اور جملہ اعتراضات کے منہ توڑ جوابات

از قلم

محقق دوارن، امام العصر، امام پاکستان حضرت مولانا

سید احمد شاہ بخاریؒ اجنالوی چوکیروی

ناشر

سید محمد قاسم شاہ بخاری

مہتمم امام پاکستان اکیڈمی

جامع مسجد ثانی اثنینؓ بشیر کالونی سرگودھا

فون: 048-3216404

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

امام پاکستانؒ کی تصنیفات

ا۔تحقیق فدک (طبع چہارم مجلد کتابت عمدہ کاغذ سفید) 100روپے

۲۔ثانی اثنین ابوبکر صدیقؓ (کمپوزنگ نہایت عمدہ) 50روپے

۳۔تلاش حق (شیعہ کے سوالات کے جوابات) 30روپے

۴۔قرآنی وضو (آیت وضو کی تفسیر اور شیعہ کے
اعتراضات کا منہ توڑ جواب 30روپے

****

ملنے کے پتے:

ا۔تحریک خدام اہلسنت مدنی مسجد چکوال

۲۔مولانا قاری خبیب احمد عمر مہتمم جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

۳۔دارالمبلغین جامع مسجد ثانی اثنینؓ بشیر کالونی سرگودھا

رابطہ کے لیے:

صاحبزادہ پیر سید خالد فاروق شاہ بخاری حسینی

دارالمبلغین جامع مسجد ثانی اثنین بشیر کالونی سرگودھا

عرض ناشر

استاذ المناظرین ضیغم اسلام محقق دوران امام العصر امام پاکستان حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے چوکیرہ سے ایک ماہنامہ ''الفاروق'' جاری کیا تھا جو عرصہ چار سال تک متواتر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر کیے گئے جملہ اعتراضات کا شافی مدلل مسکت جواب دے کر حق تحقیق ادا کرتا رہا یہ پرچہ مولوی اسماعیل شیعہ کے اخبار صداقت گوجرہ کا منہ توڑ جواب تھا۔

۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۶۰ء تک ماہنامہ الفاروق میں نہایت قیمتی مضامین قسط وار شائع ہوتے رہے جنہیں یکجا کر کے ہم مستقل کتاب کی شکل میں شائع کر رہے ہیں اسی مقصد کے حصول کے لیے احقر نے امام پاکستان اکیڈمی اور دارالمبلغین قائم کر دیا ہے۔ سالانہ دارالمبلغین کورس ہمیشہ شعبان المعظم میں ہوتا ہے۔

اس اکیڈمی کی طرف سے پہلی کتاب لاجواب ''تحقیق فدک'' طبع چہارم شائع ہو کر ملک کے کونے کونے تک پہنچ چکی ہے اب دوسری کتاب ''ثانی اثنین'' خلافت بلافصل صدیق اکبرؓ پر شائع ہو کر آپ کے ملک میں بلکہ بیرون ملک تک پہنچ چکی ہے۔ اور تیسری کتاب ''تلاش حق'' شیعہ کے

سوالوں کے جوابات سے مزین یہ کتاب بھی اندرون بیرون ملک پہنچ کر داد تحسین حاصل کر چکی ہے۔

اب چوتھی کڑی ''قرآنی وضو'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ وضو کے بارے میں جتنے سوالات تھے، حضرت امام پاکستانؒ نے جڑ سے اکھیڑ دیئے ہیں اور حق تحقیق ادا کر دیا ہے اس کا نام ''قرآنی وضو'' رکھ دیا گیا ہے۔ اللہ کریم امام پاکستانؒ کے مشن کو قیامت تک جاری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

اس کتابچہ میں احقر نے مزید حوالے درج کر دیئے ہیں اور نئی شیعہ کتب کے صفحات طبع جدید سے لگا دیئے ہیں۔

خادم خدام اہلسنت

سید محمد قاسم شاہ بخاری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وضو کے فائدے اور فضیلتیں

ہمدردان ''الفاروق'' کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے یا کہ ان کا مسح کرنا فرض ہے؟ شیعہ مبلغین پاؤں کے مسح کی فرضیت قرآن سے ثابت کرتے ہیں، یہ چیز صحیح ہے یا غلط ہے، اگر غلط ہے تو اس کی وجوہ بیان کی جائیں، اگر صحیح ہے تو اہل سنت والجماعت وضو کرتے وقت پاؤں کے مسح سے کیوں گریز کرتے ہیں؟ مندرجہ بالا مطالبہ کی بنا پر وضو کے وہ تمام مسائل بیان کیے جاتے ہیں جن میں شیعہ اور سنّی حضرات اختلاف رکھتے ہیں تاکہ قارئین الفاروق اس باب میں پورا پورا فائدہ حاصل کریں۔

(احمد شاہ بخاری)

وضو کے فائدے دنیوی بھی ہیں اور اُخروی بھی ہیں۔ دنیاوی فائدے تو وہ ہیں جو اصلاح بدن سے تعلق رکھتے ہیں، مکمل وضو کرنے کی عادت ہو جائے تو بہت سی جسمانی بیماریوں سے خداوند تبارک وتعالیٰ آدمی کو محفوظ رکھتے ہیں اور آدمی کے قلب کی صفائی میں وضو کو خاص دخل ہے جو لوگ ہر وقت باوضو رہنے پر قادر ہو جاتے ہیں وہ کمال صفائے قلب سے ہمکنار اور

بے شمار انوار سے سرشار ہوتے ہیں ۔

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

اور اُخروی فائدے جناب رسول خدا ﷺ نے بیان فرمائے ہیں وہ ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں :

(۱) کشف الغمہ علامہ شعرانی صفحہ ۶۷ پر ہے :(طبع جدید بیروت صفحہ ۵۳)

"وکان ﷺ يقول اذا توضا العبد المسلم او المومن من فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر اليها بعينه مع الماء او مع آخر قطر الماء فاذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة كان بطشتها يداه مع الماء او مع الماء فاذا غسل رجليه خرج كل خطيئة مشتها رجلاه مع الماء او مع آخر قطر الماء حتى يخرج نقيا من الذنوب حتى تخرج خطاياه من تحت اظفاره واشفار عينيه ثم يكون مشيه الى المسجد وصلوٰته نافلة.

آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت ایماندار بندہ وضو کا ارادہ کرتا ہے پس اپنا چہرہ دھو دیتا ہے تو اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو آنکھوں کے ذریعہ

کئے تھے، پھر جب وہ دونوں بازو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اپنے دونوں ہاتھوں سے کئے تھے ۔ پھر جس وقت وہ پاؤں کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ہی اس کے دونوں پاؤں سے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اس نے پاؤں کے ذریعے کئے تھے یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہوتا ہے تو گناہوں سے صاف ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے اور آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے تمام گناہ نکل جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس مومن کا مسجد کی طرف چل کے جانا اور وہاں جا کر نماز پڑھنا ترقی درجات کا موجب ہوتا ہے۔"

نوٹ: برادران اسلام سوچنے کا مقام ہے کہ خدا کی راہ میں قدم رکھتے ہی کیا کیا مہربانیاں ہیں جو پیش آتی ہیں اور کیا کیا سرفرازیاں ہیں جو ہمارے ایسے نالائق بندوں کی نصیبوں میں لکھی جاتی ہیں ۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ۔

رحمت حق نے دکھائے وہ کرشمے روز حشر
بے گناہ بھی چیخ اُٹھا میں بھی گناہگاروں میں ہوں

﴿۲﴾ کشف الغمہ علامہ شعرانی جلد اول صفحہ ۷۶:(طبع جدید صفحہ ۵۳ بیروت)

"وکان ﷺ یقول مامن مسلم یتوضاء فیسبغ الوضوثم یقوم فی صلوتہٖ فیعلم ما یقول الانفتل وهو کیوم ولدته امهٗ

اور آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے جو مسلمان بھی وضو کرے اور مکمل وضو کرے، پھر نماز میں کھڑا ہو اور جو کچھ کہتا ہے اسے سمجھتا ہو، تو نماز سے فارغ ہونے پر اس کی وہی حالت ہوجاوے گی، جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت ہوتی ہے۔"

نوٹ : اس حدیث میں غور کرو، ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت آدمی گناہوں سے پوری طرح پاک ہوتا ہے، اس کے ذمے کبیرہ ہوتا ہے، نہ صغیرہ، گناہوں سے پاکیزگی اس سے بڑھ کر ممکن ہی نہیں۔ تو جن چیزوں کو اس نعمت سے حصول میں دخل ہے کامل مکمل وضو بھی آنحضور ﷺ نے ان میں گنوایا ہے۔ حدیث مذکور میں اس نعمت عظمیٰ کی مدار دو چیزوں پر ہے ایک وضو کامل اور دوسرا اذکارِ نماز کے معانی کا جاننا یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں گی تو مذکورہ بالا عظیم تاثیر ظاہر ہوگی۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ وضو بڑی عالیشان اور بے حد فائدہ مند چیز ہے۔

﴿۳﴾ کشف الغمہ شعرانی جلد اول صفحہ ۷۷ (طبع جدید صفحہ ۵۳ بیروت)

"وکان ﷺ یقول من توضّاء علیٰ طهر کتب الله لهٗ عشر حسناتٍ.

اور آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے، جو شخص وضو پر وضو کرے خدا تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتے ہیں۔"

نوٹ : خدا تعالیٰ کے لکھنے کے معنے علماء متقدمین نے لکھوانے کے لیے ہیں مطلب یہ ہے کہ جن روایات میں خدا تعالیٰ کے لکھنے کے الفاظ آتے ہیں، اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیتے ہیں۔

﴿۴﴾ مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول صفحہ ۶

"عن النبی ﷺ قال ان العبد اذا توضّاء فغسل یدیه خرت خطایاه من یدیه واذا غسل وجهه خرت خطایاه من وجهه واذا غسل ذراعیه ومسح براسه خرت خطایاه من ذراعیه وراسه وغسل رجلیه خرت خطایاه من رجلیه.

آنحضور ﷺ سے روایت ہے فرمایا، بندہ جس وقت وضو کا ارادہ کرتا ہے، پس دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے گن[illegible] دونوں ہاتھوں [illegible] اور [illegible] وقت [illegible]

دھوتا ہے تو چہرے سے اس کے گناہ گر جاتے ہیں اور جس وقت دونوں بازوؤں کو دھوتا ہے، اور سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے گناہ بازوؤں اور سر سے گر جاتے ہیں اور جس وقت دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو اس کے گناہ پاؤں سے گر جاتے ہیں۔

نوٹ : مصنف ابن ابی شیبہ کی اس حدیث میں چہرے سے پہلے جو ہاتھ دھونے مسنون ہیں ان کا ذکر ہے، یہ چیز حدیث نمبر اول منقول از کشف الغمہ علامہ عبدالوھاب شعرانی میں نہیں ہے، اس لیے باقی مضمون کی وحدت کی پرو نہیں کی گئی اور اس حدیث شریف کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

کیفیت وُضو

نماز پڑھنے کا ارادہ ہو، تو بے وضو کے لیے وضو کر لینا ضروری ہے کوئی نماز ایسی نہیں ہے جو بغیر وضو کے جائز ہو سکے، اس مسئلہ میں علمائے شیعہ اور علمائے اہلسنت میں اختلاف ہے شیعہ کے یہاں نماز جنازہ ایک ایسی نماز ہے جس میں طہارت ضروری نہیں ہے۔ دیکھو شیعہ کی مشہور و معروف کتاب جامع المسائل مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۲۹

”مسئلہ نماز میت میں ظاہری و باطنی طہارت کی شرط نہیں ہے۔“ جامع المسائل کی عبارت ختم۔

باطنی طہارت تو وضو یا غسل یا تیمم سے ہوتی ہے اور ظاہری طہارت

کپڑے یا بدن سے خون یا بول براز دور کر دینے سے ہوتی ہے، آقائے بروجردی جو آج کل شیعی دنیا کے مجتہد اعلم ہیں اور یہ کتاب جامع المسائل آپ کے ایک رسالہ کا ترجمہ ہے، فرماتے ہیں کہ بدن پاک ہو یا پلید، اسی طرح کپڑے پاک ہوں یا پلید ہوں، پلیدی خفیف قسم کی ہو یا بھاری قسم کی ہو، نماز جنازہ اس کے ساتھ میں پڑھی جاسکتی ہے۔[۱] مگر علمائے اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ جس چیز پر صلوٰۃ (نماز) کی لفظ بولی جاتی ہے اس کے لیے طہارت ظاہری اور طہارت باطنی دونوں ہی شرط ہیں، اس سے کسی نماز کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔ قرآن حکیم کی سورہ مائدہ کی آیت میں وضو کو نماز کی شرط قرار دے چکا ہے اس کے بعد خود قرآن میں استثناء نہیں ہے اور نہ ہی آنحضور ﷺ کی احادیث شریفہ میں کہیں نماز جنازہ کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے تو شیعہ مجتہدین کی یہ سینہ زوری نہ کہیے تو کیا کہیے اور اس موقع پر جو روایات زراہ وابو بصیر وغیرہما

---

[۱] (۱) برائے شش چیز وضو گرفتن واجب است اول برائے نماز ہائے واجب غیر از نماز میت ”معتبر کتاب شیعہ توضیح المسائل طبع قدیم ص ۵۸“

(۲) نماز میت میں طہارت شرط نہیں جنب، حائض، بے وضو سب پڑھ سکتے ہیں، تحفۃ العوام ص ۲۲۳، اصل قدیم، شیعہ کی مستند کتاب

(۳) مسئلہ: ۵۹٦ جو شخص نماز میت پڑھنا چاہتا ہے تو ضروری نہیں کہ اس نے وضو، غسل یا تیمم کیا ہوا ہو اور اس کا بدن اور لباس بھی پاک ہو اور اگر اس کا لباس غصبی بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (امام خمینی کی کتاب توضیح المسائل جدید ص ۹۴ طبع لاہور)

نوٹ: امام خمینی نے تو تمام حدود شرعی توڑ کر رکھ دی ہیں کیا اب بھی کوئی اشکال باقی رہ گیا ہے فافہم

(سید قاسم شاہ بخاری)

سے لائے ہیں، ان کو انہیں راویان احادیث شیعہ کی من گھڑت نہ کہیے تو کیا کہیے صاف ظاہر ہے کہ نماز جنازہ حسب اطلاق وعموم قرآن بغیر وضو کے جائز نہیں ہے اور شیعہ کی نہایت معتبر اور غایت معتمد علیہ کتاب نامی اصول کافی کے دوسرے صفحہ پر حضرت امام مہدی کا فرمان درج ہے۔

"اعرضوا علٰی کتاب اللہ فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فردوہ.

روایات ائمہ کو کتاب اللہ کے سامنے رکھو پس اس کے موافق ہوں لے لو اور جو اس کے مخالف ہوں ردّ کردو۔"

(کتاب اصول کافی طبع جدید جلد، ۱ صفحہ ۱۰ مقدمہ)

نتیجہ ظاہر ہے کہ کتب شیعہ میں جو روایات ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز جنازہ بغیر وضو کے جائز ہے اس کے لیے طہارت کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ روایات چونکہ صراحت قرآن کے برخلاف ہیں، اس لیے ان روایات کو رد کر دینا چاہئے اور رجال شیعہ کا اپنا خاص مال تصور کرنا چاہیے، ائمہ کرام کی جانب ان کی نسبت ہرگز نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ان ہی بارہ ائمہ کرام میں سے ایک صاحب الامر والزمان ہیں جو مذکورہ بالا قاعدہ بیان فرمارہے ہیں،

لطیفہ

آج کل شیعہ علماء تقیہ کی چادر کو اتار پھینک چکے ہیں اور اپنے بزرگوں کی وصیتوں کو پس پشت ڈال چکے ہیں اور سر میدان اپنے مزعومات کو ثابت کرنے کے دعوے کرتے ہیں، اور مناظرہ طلبی کے بہت زیادہ حریص ہو رہے ہیں، اس لیے علمائے اہلسنت لبیک لبیک کہتے ہوئے میدان مین آچکے ہیں، میں نے کئی مناظرے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، موجودہ قرآن کے تحریف یافتہ ہونے کے موضوع پر جب مناظرہ شروع ہوتا ہے اور موجودہ قرآن کے تغیر تبدل یافتہ ہونے پر کتب معتبرۂ شیعہ سے ہزاروں روایات میدان میں نکل آتی ہیں اور شیعہ مناظر کے لیے کوئی جواب کا راستہ باقی نہیں رہتا، تو مذکورہ بالا ارشاد امام عالی مقام صاحب الامر والزمان کا سہارا لینے کی سعی کرتا ہے اور اپنے بزرگوں کی ہزاروں متواتر روایات کو رد کر دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ میرے صاحب غار کا ارشاد ہے اس لیے میں ان سب روایات کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتا ہوں، اس جواب سے شیعہ مناظر کی گلوخلاصی تو ممکن نہیں ہے مگر مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں ہے میرا مقصود تو یہ ہے کہ تحریف قرآن کی متواتر روایات کو زمانہ حال کے شیعہ مبلغین مذکورہ بالا فرمان مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ردّ کرسکتے ہیں، تو وہ ایک دو روائتیں جو ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز جنازہ

کے لیے کسی قسم کی طہارت شرط نہیں ہے مذکورہ بالا فرمان مہدی علیہ السلام کے ذریعہ کیوں مردود قرار نہیں پاتی ہیں؟ اور انہیں کیوں رد نہیں کر دیا جاتا جبکہ یہ روایات قرآن کے صاف برخلاف ہیں، کیونکہ قرآن ہر نماز کے لیے طہارت کو شرط قرار دیتا ہے اور یہ دو ایک روائتیں نماز جنازہ کے لیے طہارت کو ہرگز شرط قرار نہیں دیتی ہیں۔

بہرحال یہ پہلا اختلاف ہے جو باب وضو میں شیعہ وسنّی میں واقع ہوا ہے، اور پچھلے اوراق میں ناظرین خوب سمجھ چکے ہیں کہ اس مسئلے میں قرآن کریم کی حمایت اہل سنت والجماعت کو حاصل ہے۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک۔**

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہر نماز کے لیے وضو شرط ہے تو وضو میں ب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھونا چاہئے، ہاتھ سے مراد یہاں پنجہ ہے، لائی کے جوڑ تک دونوں پنجے آلۂ وضو ہیں تو جو چیز صفائی اور پاکیزگی کا آلہ ہے ہی پاک صاف نہ ہو تو صفائی کا حاصل ہونا ناممکن ہوگا، جیسا کہ پانی آلۂ وضو ہے، اگر پانی پلید ہو تو وضو نہیں سکتا پس جس طرح کہ پانی کا پاک ہونا وضو کے یے ضروری ہے اسی طرح دوسرے پنجوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، حدیث رہ میں نص نبوی موجود ہے ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

جب دونوں پنجے اندر باہر خوب صاف ہو جائیں تو چہرے کا نمبر ، کلی کرنا اور ناک میں پانی داخل کے پھینک دینا جو اہل سنت والجماعت کے

یہاں مسنون ہیں تو یہ بھی چہرہ کے دھونے کی تکمیل کے لیے ہیں، آنحضور ﷺ اپنا چہرہ مبارک دھونے سے پہلے ہمیشہ تین دفعہ کلی اور تین دفعہ ناک میں پانی داخل کر کے صاف کر لیا کرتے تھے۔ یہ بھی غسل وجہ کی تکمیل ہے، پھر چہرے کو دھونے کا حکم ہے، تمام چہرے کو تین دفعہ دھونا چاہیے، چہرے کی حد بندی میں بھی شیعہ وسنّی میں اختلاف ہے، شیعہ کی کتب فقہ میں چہرے کی حد بندی کا نہایت عجیب وغریب طریقہ لکھا ہے، لکھتے ہیں کہ انگشتِ نر اور درمیانی انگلی کے احاطہ میں جو حصہ آجائے وہ ہی چہرہ ہے اور جو حصہ ان کے احاطہ سے باہر رہ جائے وہ چہرہ میں داخل نہیں ہے، اہل سنت والجماعت کے علماء فرماتے ہیں کہ دونوں کانوں کے درمیان چہرہ ہے، اہل لغت اور محاورات عرب کی تائید اہل سنت کے ساتھ مخصوص ہے، انگشت نر اور درمیانی انگلی کے ذریعہ حد بندی کوئی معقول چیز نہیں ہے۔ چہرے کا کچھ نہ کچھ حصہ باہر رہ جاتا ہے، عربی بولی میں چہرے کے لیے جو لفظ مقرر ہے وہ وجہ ہے یہ لفظ لغت کے اعتبار سے روبروئی کو ظاہر کرتی ہے اور روبروئی کی مدار دونوں کانوں کے درمیانی حصہ پر ہے، قرآن حکیم کے اندر لفظ وجہ کئی جگہوں پر وارد ہوئی ہے، ہر جگہ پر وہ ہی معنے موزوں ہوتے ہیں جو علمائے اہلسنّت نے لکھے ہیں، اور جو معنے شیعہ علماء نے لکھا ہے اس کی طرف کسی ذی فہم کا ذہن جاتا ہی نہیں، دیکھو چوتھے پارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ وہ دن ایسا ہے کہ اس میں کئی لوگوں کے چہرے

سفید ہوں گے اور کئی لوگ ایسے بھی ہوں گے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ خدا تعالیٰ نے قیامت کے دن کی جو حالت بیان فرمائی ہے ظاہر بات ہے کہ پورا چہرہ سیاہ ہوگا، یا پورا چہرہ نورانی ہوگا، دونوں کانوں کے مابین اگر انگشت نر اور درمیانی انگلی کا چکر چلایا جائے تو آدھے رخسار بھی باقی رہ جاتے ہیں شیعہ کی حد بندی کو مدنظر رکھا جائے تو دونوں کانوں کے مابین تمام علاقہ ایک طرح پُر نہیں ہوگا کیونکہ انگشت نر اور وسطیٰ کا چکر اس تمام رقبے کو تو اپنے احاطہ میں لے نہیں سکتا، کافی رقبہ باقی رہ جاتا ہے تو کیا کوئی عقل مند آدمی اس بات کو صحیح تصور کر سکتا ہے کہ نیکوکاروں کے چہروں کے کچھ حصے نورانی ہوں گے اور اس کے آس پاس کچھ حصے ایسے بھی ہوں گے جو نورانی نہیں ہوں۔ ہرگز نہیں۔ اندریں صورت تو زینت کی جگہ قباحت لے لیگی۔ جو مقصود خداوندی سے ہزاروں بلکہ لاکھوں میل دُور ہے۔

❁ ایک لطیفہ ❁

زیادہ سوچنے پر معلوم ہوا کہ شیعہ علماء کو وجہٌ اور وجنۃٌ میں اشتباہ ہوگیا ہے، اور واقعی محل اشتباہ بھی ہے کیونکہ صرف نون کا فرق ہے۔ واؤ، جیم کا اشتراک ہی اس کے اشتباہ کے لیے کافی ہے۔ وجنہ (رُخسار) کو کہتے ہیں۔ غالباً یہ لوگ جو وجنہ کا ترجُمہ ہے اسی کو وجہ کا ترجمہ سمجھ کر انگشت نر اور درمیانی انگلی کا چکر چلا رہے ہیں۔ حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ وجنہ (رخسار) وَجۡہُ (چہرے) کی ایک جز ہے۔ انگشت نر اور درمیانی رخسار کو تو اپنے احاطہ میں

لے سکتی ہے، تمام چہرے کو ہرگز احاطہ میں نہیں لے سکتے۔ راقم الحروف نے چہرے کے طول کی بحث نہیں چھیڑی اس لیے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف چوڑائی میں ہے، امید ہے کہ ناظرین کرام اس مسئلہ کو خوب سمجھ گئے ہوں گے، اس لیے اب ہم آگے چلتے ہیں۔ جب مومن نمازی اپنے چہرے کو تین دفعہ دھو چکا تو اس کے لیے حکم ہے اپنے دونوں بازوؤں کو یکے بعد دیگرے پہلے دائیں کو پھر بائیں کو پنجے سے لے کر کہنیوں تک تین تین دفعہ دھوئے کہنیوں کو خارج نہ کر بیٹھے بلکہ انہیں بھی اسی طرح غسل کرائے جس طرح باقی بازو کو غسل کرایا ہے۔

❁ اختلاف سوم ❁

بازوؤں کو دھونے مین اگرچہ اتفاق ہے مگر دھونے کے طریقے میں اختلاف ہے، اہل سنت والجماعت کے فقہا نے اپنی کتب فقہ میں لکھا ہے کہ دھونے کی ابتداء انگلیوں کی جانب سے ہو اور انتہا کہنیوں پر ہو برخلاف اس کے شیعہ علمائے فقہ اپنی کتب فقہ مین تحریر کر گئے ہیں کہ وضو کی ابتداء کہنیوں کی جانب سے ہو اور انتہا انگلیوں پر ہونی چاہیے، اس مسئلہ میں صراحت قرآن کریم اہل سنت والجماعت کی تائید میں ہے کیونکہ قرآن حکیم کے اندر آیت وضو میں جو لفظ عربی بولی میں انتہا کے لیے مقرر ہے وہ کہنیوں پر آیا ہے۔ انگلیوں پر نہیں آیا، شیعہ علماء نے جب دیکھا کہ یہ آیت وضو جو سورۂ مائدہ میں موجود ہے اور جس

طرح پر موجود ہے۔ان کی تائید نہیں کرتی تو جھٹ یہاں تحریف یعنی تغیر تبدل انسانی کا فتویٰ جڑ دیا۔اور چونکہ یہ فتویٰ قابل قبول نہیں ہوسکتا تھا،اس لیے اس کو ائمہ کرام اہل بیت عظام کی طرف منسوب کردیا۔ملاحظہ ہوفروع کافی جلد اول مطبوعہ تہران صفحہ۱۰ : (فروع کافی طبع جدید جلد۳،صفحہ۲۸)

قال سئلت ابا عبدالله عليه السلام عن قول الله عزّ وجلّ فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق فقلت هذا ومسحت من ظهر كفّي الى المرفق فقال ليسها كذا تنزيلُها انما هى فاغسلوا وجوهكم وايديكم من المرافق ثم امرّيده من مر فقه الى اصابعه.

ہثیم کہتا ہے کہ میں نے جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ فاغسلوا وُجوھکُم والی آیت کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب نیچے سے لے کر کہنیوں تک دھونے کا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ آیت اس طرح پر نازل نہیں ہوئی تھی،بلکہ یہ تو فاغسلوا وجوھکم وایدیکم من المرافق تھا پھر آپ نے مطلب کہنیوں سے لے کر ہتھیلی تلک دھونے کا بیان فرمایا۔

نوٹ : دیکھو فروع کافی کی اس حدیث کو بار بار دیکھو کیا اس حدیث میں موجودہ قرآن کے غلط اور تبدیل شدہ ہونے کا اعلان نہیں ہورہا،کیا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ بات ممکن بھی ہے۔؟ ہرگز نہیں وہ کب قرآن کی تحریف کا خیال کرسکتے تھے،یہ تو راویان اور بانیان مذہب شیعہ کی کارستانیاں ہیں۔امام ان چیزوں سے معصوم ہیں،اماموں کے معصوم ہونے کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ وہ ان باتوں سے پاک ہیں جو شیعہ علماء نے ان کی طرف منسوب کی ہیں، ہاں تو اس معنے میں ائمہ اہل بیت عظام کو معصوم تسلیم کرنے میں کسی کو بھی پس وپیش نہیں ہوگا۔واقعی مظلوم بھی وہ لوگ اس معنے میں ہیں۔کہ ان کی جانب تحریف قرآن کی ثابت کنندہ روایات کو منسوب کردیا گیا ہے اور اس کاروائی کا سہرا بھی راویان مذہب شیعہ ہی کے سر پر ہے۔

جب دونوں بازوؤں کو تین تین دفعہ خوب دھو چکے تو اس کے بعد سر کے مسح کا نمبر ہے،سر کے مسح کے لیے جدید پانی سے ہاتھ تر کر کے سر پر پھیر دینا چاہیے۔

❁ اختلاف چہارم ❁

شیعہ فقہا اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔کہ مسح چاہے سر کا ہو اور چاہے پاؤں کا ہو۔جدید پانی نہیں لینا چاہیئے،بلکہ متوضی کے ہاتھوں پر جو تری پہلے اعضاء کے دھونے سے باقی ہوتی ہے،اسی سے مسح کرلینا چاہیے،جدید پانی نہیں

لینا چاہیے۔ دیکھو شیعہ کی مشہور ومعروف کتاب من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول مطبوعہ طہران صفحہ ۱۵

"ویکون ذٰلک بما بقی فی الیدین من الندواۃ من غیر ان تجددّ لہ ماءً اور یہ مسح اس تری سے ہوتا ہے جو باقی رہ جاتی ہے اس لیے جدید پانی نہ لینا ہوگا۔"

نوٹ : مذکورہ بالا حدیث میں جو نئے پانی کی نفی آئی ہے اس کے نتیجے میں زمانہ حاضرہ کے مجتہد اعلم شیعی دنیا کے مقتدائے مسلّم آقا حسین بردجردی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں، دیکھو جامع المسائل اُردو صفحہ ۷۶،

"ہاں اگر ہاتھ خشک ہو جائیں تو مقامات مذکورہ وضو کی تری سے بے اشکال مسح جائز ہے۔" جامع المسائل کی عبارت ختم۔

دیکھا صاحب جدید پانی ہرگز نہ لینا۔ اعضائے وضو سے تری لے لینا اور مسح کر لینا مگر جدید پانی لینے کی اجازت نہیں ہے۔ علمائے اہل سنت کہتے ہیں کہ آدمی کا سر ایک مستقل اندام ہے کسی اور اندام کی جزو نہیں ہے، تو پھر اس کے لیے جدید پانی کی ضرورت ہے، ہمارے یہاں آدمی کے کان سر کی جزو ہیں، اس واسطے ان کے مسح کے واسطے جدید پانی کی ضرورت نہیں جانتے۔ مگر آدمی کا سر اس کے استقلال میں شبہ کرنا بھی کوتاہی عقل کی دلیل ہوگی۔

جب متوضی سر کا مسح کر چکے تو پاؤں کا نمبر ہے، شیعہ وسنّی حضرات میں دربارۂ وضو جو بھاری اختلاف ہے وہ پاؤں سے متعلق ہے۔

اختلاف پنجم

اہل سنت کے نزدیک ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا اسی طرح فرض ہے جس طرح کہ کہنیوں تک بازوؤں کا دھونا فرض ہے اور شیعہ کے یہاں پاؤں کا مسح فرض ہے۔ جیسا کہ ان کے نزدیک سر کا مسح فرض ہے۔ پہلے پہل ہم یہاں شیعہ کے فرضیت مسح کے دلائل اور ان کے اہل سنت کی جانب سے جوابات ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد پاؤں کے دھونے کی فرضیت کے دلائل ذکر کریں گے۔

شیعہ کی پہلی دلیل

خداوند تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے

وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ وَاَرۡجُلَکُمۡ اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ ۔

ترجمہ: اور اپنے سروں کے بعض حصے کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرلو۔

(ترجمہ مقبول احمد شیعی مطبوعہ انشاء پریس لاہور صفحہ ۱۲۳)

(طبع کرشن نگر لاہور صفحہ ۲۱۳ افتخار بکڈپو، اصل)

❁ الجواب ❁

مولوی مقبول احمد صاحب شیعی اور اس کے ہم مذہب لوگوں نے آیت مذکورہ کا جو ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ سراسر غلط ہے اس ترجمے کے صحیح ہونے کی دارومدار ارجلکم اور رؤوسکم کے باہمی عطف کے صحیح ہونے پر ہے اور یہ عطف کسی طرح پر اور کسی نحوی قاعدے کی رو سے صحیح نہیں ہوسکتا۔ پس ترجمہ کے صحیح ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سننے سے پہلے ایک معذرت قبول فرمایئے گا، وہ یہ ہے کہ لفظ عطف ایک خاص نحوی اصطلاح کی لفظ ہے، اس کے استعمال سے چارہ نہیں ہے۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ☆ بنتی نہیں ہے بادۂ وساغر کہے بغیر

ہم قارئین کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرسکتے ہیں کہ دو چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دینے کو عطف کہتے ہیں، جو دو چیزیں آپس میں ملائی جاتی ہیں، اُن میں سے پہلی کو معطوف علیہ اور دوسری کو معطوف بولتے ہیں، اب اصل مضمون کی طرف آیئے!

شیعہ علماء نے جو ترجمہ کیا ہے تو انہوں نے رؤس کو معطوف علیہ اور ارجُل (پاؤں) کو معطوف بنایا ہے، عربی بولی کا قاعدہ یہ ہے کہ معطوف علیہ پر زبر ہو تو معطوف پر بھی زبر ہوتی ہے، اور اگر معطوف علیہ پر زیر ہو تو معطوف پر

بھی زیر ہوتی ہے، اور اگر معطوف علیہ پر پیش ہو تو معطوف پر بھی پیش ہوتی ہے۔ اس قاعدے کو تمام نحویوں نے لکھا ہے شیخ رضی بھی اس قاعدے کو اسی طرح مانتا ہے جس طرح کہ ابن حاجب اس کو بیان کرتا ہے۔ نحوی مسائل میں مذہب کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اس لیے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ممکن ہے سنّی نحوی کچھ اور لکھ گئے ہوں اور شیعہ نحوی اس کے برخلاف تحریر کر گئے ہوں۔ یاد رہے اور خوب یاد رہے کہ جو قاعدہ ہم نے لکھا ہے، اس پر تمام نحویوں کا اتفاق ہے۔

اب ہم ہر صاحب بصارت اور ہر صاحب نظر سے پوچھتے ہیں کہ کہ آیت مذکورہ میں معطوف علیہ یعنی رؤس اور معطوف یعنی ارْجُل دونوں ایک طرح پر ہیں کیا؟ اس سوال کا جواب سوائے اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں اسم ایک طرح پر نہیں، بلکہ پہلا اسم معطوف علیہ یعنی رؤس اپنے آخری حرف یعنی سین پر زیر رکھتا ہے اور دوسرا اسم معطوف یعنی ارْجُل اپنے آخری حرف یعنی لام زبر رکھتا ہے، پس ان دونوں اسموں کو آپس میں معطوف علیہ اور معطوف قرار دینا سخت ناجائز ہے۔

❁ ایک سوال ❁

عطف دو قسم ہے ایک عطف لفظی اور دوسرا عطف محلی، آیت مذکورہ اگر چہ عطف لفظی تو نہیں بن سکتا مگر یہاں پر عطف محلی ہے، عطف لفظی تو وہ ہے جو اُوپر ذکر ہوا، اور عطف محلی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معطوف علیہ جس

موقع پر واقع ہے اس موقع کے لحاظ سے اس پر جو حرکت ہونی چاہیئے ۔ اس حرکت میں معطوف اور معطوف علیہ اتفاق رکھیں، جیسا کہ دسویں پارے میں فرمایا: اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓئٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ اس آیت میں اللہ معطوف علیہ ہے اور رسولہٗ معطوف ہے، عطف لفظی یہاں نہیں ہے کیونکہ یہاں اللہ لفظی اعتبار سے اگر چہ زبر رکھتا ہے مگر موقع اس کا پیش کا ہے ۔ اس واسطے کہ حقیقت میں مبتداء ہے اور حق مبتداء پیش ہوتا ہے، اگر یہاں پر لفظ اَنَّ تحقیقیہ نہ ہوتا تو اسم ذات جلالی ضرور پیش والا ہوتا ہے ۔ اتنی وضاحت عوام الناس کے لیے کر دی ہے ورنہ علمائے فریقین تو ان باتوں کو بطور بداہت جانتے ہیں، خیر بہر حال شیعہ علماء جب عطف لفظی میں کامیاب نہیں ہو سکے تو پھر انہوں نے عطف محلی کا سہارا لیا ہے اور یوں سمجھے ہیں کہ کامیاب ہو گئے، مگر کامیابی کہاں ؟ وہ تو بہت دور ہے ۔

❁ الجواب ❁

عطف محلی آیت وضو میں نہیں بن سکتا، جیسا کہ عطف لفظی نہیں بن سکتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ائمہ نحو نے عطف محلی کے لیے چند ایک شرائط لکھی ہیں، ان شرطوں میں سے پہلی شرط ہی آیت مذکورہ کے عطف میں نہیں پائی جاتی ۔

دیکھو مغنی مصری صفحہ ۹۲ جلد ثانی:

"وَالثَّانِیَ الْعَطْفُ عَلَی الْمَحَلِّ نَحْوُ لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ وَلَا قَاعِداً وَلَہٗ عِنْدَ الْمُحَقِّقِیْنَ ثَلَاثَۃُ شُرُوْطٍ اَحَدُھَا

اِمْکَانُ ظُھُوْرِہٖ فِی الْفَصِیْحِ.

اور دوسرا قسم عطف محلی ہے، جیسے لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ وَلَا قَاعِداً اور اس کے لیے محقق علمائے نحو کے نزدیک تین شرطیں ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ فصیح کلام کے اندر اس محلی اعراب کو ظاہر کیا جاسکے۔"

تشریح : محلی اعراب کو ظاہر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ظاہر کرنے پر کلام بھی فصیح رہے اور معانی میں بھی تفاوت نہ آئے، جیسا کہ مَرَرْتُ بِزَیْدٍا وَ عَمْرًوا درست نہیں ہے کیونکہ زید کا محلی اعراب زبر خیال کر کے عطف محلی بنایا جائے تو اس کے ظاہر کرنے کی صورت میں کلام یوں بن جائے گی، مَرَرْتُ زَیْدًا وَ عَمْرًوا عرب کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ کلام عرب ہی نہیں رہی اور اس کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں اور لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ وَلَا قَاعِداً درست ہے، کیونکہ اس عبارت میں قائم کا محل زبر کا ہے اور اگر اس محل کو ظاہر کر دیا جائے اور یوں پڑھا جائے لَیْسَ زَیْدٌ قَآئِماً وَلَا قَاعِداً تو بھی عبارت فصیح اور بامعنی رہتی ہے ۔ بھید اس میں یہ ہے کہ پہلی عبارت میں یعنی مَرَرْتُ بِزَیْدٍا وَ عَمْرًوا میں بائے جارہ زائدہ نہیں ہے بامعنے ہے تعدیہ اس کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسری عبارت یعنی لَیْسَ زَیْدٌ بِقَائِمٍ وَلَا قَاعِداً میں بائے جارہ زائدہ ہے، اس کے ہونے نہ ہونے سے عبارت میں کوئی

فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اس چیز کا معانی پر کچھ اثر پڑتا ہے۔

اب آیئے آیت وضو میں غور کیجئے کیا وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ میں بائے جارہ زائدہ ہے، یا کہ بامعنے ہے؟ ابھی پچھلے صفحات میں مولوی مقبول احمد شیعی کے ترجمہ سے دیکھ چکے ہیں، وہ ترجمہ میں لکھتے ہیں اور اپنے سروں کے بعض حصہ کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرلو، اس ترجمہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ مولوی صاحب نے بائے جارہ کو زائدہ نہیں بنایا ہے بلکہ اس بائے جارہ ہی کا ترجمہ بعض کیا ہے معلوم ہوا کہ اگر اس عبارت میں بائے جارہ ہو تو بعض حصے کا مسح ہوتا ہے اور اگر اس عبارت میں بائے جارہ نہ ہو تو اس کا معنی تمام کا ہوتا ہے۔ مولوی مقبول احمد شیعی پر ہی کیا موقوف ہے شیعہ کے تمام متقدمین متاخرین اس بائے جارہ کو بمعنے بعض لکھ رہے ہیں، اور معطوف مین یعنی پاؤں میں جب یہ حرف نہیں ہے تو شیعہ کے نزدیک پاؤں کا مسح تمام کا تمام ہونا چاہیے، حالانکہ کوئی شیعہ فرد اس بات کا قائل نہیں ہے اور نہ ہی کسی کا اس پر عمل ہے، پس شیعہ علماء کے نزدیک عطف محلی کیسے بن سکتا ہے؟ ہاں اگر یہ لوگ بائے جارہ کو بائے بے معنے بنائیں اور اس کے ہونے نہ ہونے کو معنی کے لحاظ سے برابر سمجھیں اور پاؤں کے مسح میں احاطہ کے قائل ہوجائیں تو عطف محلی کا قول کرسکتے ہیں مگر سورج سے زیادہ واضح یہ بات ہے کہ شیعہ علماء کیا متقدمین اور کیا متاخرین اس بائے جارہ کو بائے بعضیہ ضرور بناتے ہیں، اندریں حالات آیت

وضو میں عطف محلی خیالِ خام ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

❁ تحقیق مقام ❁

علمائے نحو میں بائے بعضیہ کے بارے میں اختلاف ہے کچھ لوگ اس کو تسلیم کرتے ہیں اور کچھ نحوی اس کے منکر ہیں، محققین نحو کے نزدیک بائے بعضیہ جہاں بھی واقع ہو وہ بائے الصاق ہے وہ الصاق سے ہی بعض کے معنے نکل آتے ہیں آیت مذکورہ بالا وضو میں وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ کو دیکھو، اس میں بائے الصاق کا مطلب یہ ہوگا، کہ ہاتھ تر کرکے سر کے ساتھ ملادو، اور ظاہر ہے کہ تر ہاتھ تمام سر کے ساتھ تو مل نہیں سکتا بلکہ سر کے کچھ حصہ سے ملے گا، اور کچھ حصہ باقی رہ جائے گا۔ الصاق اُردو بولی میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملادینے کو کہتے ہیں اور مسح کے ساتھ جو لفظ بائے جارہ آتی ہے وہ تیسری چیز کو ظاہر کرتی ہے زائدہ نہیں ہوتی ہے۔ وضو کے باب میں جو مسح ہے وہاں تیسری چیز پانی ہے اور تیمم کے باب میں جو مسح ہے اس میں تیسری چیز مٹی ہے، وضو میں سر کا مسح جو کیا جاتا ہے تو ہاتھ پانی سے تر کرکے سر کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور تیمم میں چہرے اور دونوں بازوؤں کا مسح کیا جاتا ہے، تو وہ ہاتھ کو خاک آلود کرکے چہرے اور بازوؤں سے ملایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ میں جو حرف با ہے وہ بے معنی نہیں ہے، بلکہ وہ ہاتھ کے پانی سے تر کرنے کو ظاہر کررہا ہے۔ اب اگر

شیعہ کے قول بموجب اَرجُلَکُم کا عطف رُؤوْسَکُمْ کے محل پر کیا جائے، تو ائمہ نحو کے ارشاد کے مطابق اس محل کو ظاہر کرنا درست اور فصیح ہونا چاہیے حالانکہ اس محل کو ظاہر کرنے سے آیت کے معنے ہی دگرگوں ہوجاتے ہیں، دیکھو آیت ھذا کے محل کو ظاہر کرنے کی صورت میں وَامْسَحُوْا رُؤُسِکُمْ صحیح اور فصیح اور درست ہوگا۔اور جب بائے جارہ نہ رہی تو اس کا معنے بھی نہ رہا اور جب بائے جارہ کا معنے آیت سے نکل گیا تو معنے آیت کا یہ ہوگا کہ اپنے ہاتھ سروں پر پھیر دو، اس میں نہ پانی کی شرط ہوگی، اور نہ مٹی کی پابندی ہوگی، بلکہ خشک ہاتھ سر پر پھیر دینے سے حکم خداوندی پورا ہوجائے گا۔اور جب پاؤں کا تعلق اس سے ہوگا تو پاؤں پر بھی خشک ہاتھ پھیر دینے سے حکم خداوندی پورا ہوجائے گا، اور جب پاؤں کا تعلق اس سے ہوگا تو پاؤں پر بھی خشک ہاتھ پھیر دینے سے وضو ہوجائے گا۔

ناظرین باانصاف غور کریں کہ عطف محلی بتانے سے کیسے کیسے عجیب نتیجے برآمد ہوئے ہیں کیا آج کوئی شیعہ میں ایسے اہل علم بھی ہیں؟ جو خشک ہاتھ پھیر دینے کو سر اور پاؤں کے لیے کافی خیال کریں گے ؟ ہرگز نہیں۔دراصل بات یہ ہے کہ عطف محلی کی اصطلاح کہیں سے شیعہ علماء نے سن لی، اور عطف لفظی بن نہیں سکتا تھا غنیمت سمجھئے کہ چلو عطف لفظی نہیں بنتی تو نہ بنے عطف محلی بھی تو ایک عطف کی قسم دنیا میں موجود ہے، آیت میں وہ ہی بنالیں گے، کاش کہ علمائے شیعہ عطف محلی کی حقیقت اور شرائط پر بھی غور کر لیتے تو اس قدر فضیحت نہ ہوتے۔

شیعہ کی دوسری دلیل :

’’ قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الناس ابوا لاالغسل ولا احد فی کتاب اللہ الا المسح (ابن ماجہ ص ۳۶) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پاؤں کے بارے میں لوگوں نے صرف دھونا اختیار کیا ہے اور مجھے خدا کی کتاب میں مسح ہی مسح ملتا ہے۔‘‘

اہل سنت کے نزدیک فتاوائے صحابہؓ حجت ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحابی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے مندرجہ بالا حدیث جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مذہب پاؤں کا مسح کا تھا، اہل سنت کو لازم ہے کہ ابن عباسؓ کے فتوے کی تصدیق اور تقلید کریں اور شیعہ سے اختلاف ترک کردیں۔

الجواب

پہلا جواب : ابن ماجہؒ نے جو روایت کی ہے، اس کے راویوں میں ایک راوی کا نام ہے عبداللہ بن محمد بن عقیل۔ان کی روایات محدثین کے نزدیک ایسی کمزور اور ضعیف ہوتی ہیں کہ لائق حجت نہیں ہوتیں۔علمائے رجال حدیث کے تبصرے ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔

ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ششم صفحہ ۱۴، ابن سعد کا ارشاد ہے:

- کان منکر الحدیث لا یحتجون بحدیثہٖ یعنی ثقاہت کے خلاف روایت کرتا تھا، اس لیے اس کی حدیث کو لائق حجت نہیں جانتے تھے۔
- اور بشر بن عمر نے کہا کان مالک لا یروی عنہٗ یعنی امام مالک ان سے روایت نہیں لیتا تھا۔
- اور علی بن مدینی فرماتے ہیں وکان یحیی ابن سعید لا یروی عنہٗ یعنی بن سعید اس سے روایت نہیں کرتا تھا۔
- اور یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں صدوق وفی حدیثہ ضعف شدید جدا یعنی سچ بولتا ہے لیکن اس کی حدیثوں میں نہایت درجہ کی کمزوری ہوتی ہے۔
- سفیان بن عینیہ فرمایا کرتے تھے: اربعة من قریش یترک حدیثهم فذکره فیهم یعنی قریشیوں میں سے چار شخص ایسے ہیں جن کی حدیث کا ترک کر دینا ضروری ہے، پس انہیں میں عبداللہ بن محمد مذکور کو درج فرمایا ہے۔
- اور امام حمیدی نے ابن عینیہ سے روایت کی ہے کان

فی حفظہٖ شیی فکرهت ان القاه یعنی اس کے حافظہ میں قصور تھا، اس لیے میں نے اس کی ملاقات کو برا منایا مطلب یہ ہے کہ استفادہ نہ کرنے کی وجہ موصوف کا حافظے کا کمزور ہونا ہے۔

- اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: منکر الحدیث یعنی معتبر راویوں کے خلاف روایت کرتا تھا۔
- قال مسلم قلت لابن معین ابن عقیل احبّ الیک او عاصم بن عبید اللہ قال ما اُحبّ واحداً منهما یعنی امام مسلم فرماتے ہیں کہ ابن معین سے میں نے عرض کیا کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل آپ کو زیادہ پسند ہے یا کہ عاصم بن عبداللہ، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ان دونوں میں سے کوئی بھی پسند نہیں ہے۔
- اور امام ابوحاتم فرماتے ہیں: لیّن الحدیث لیس بالقوی ولا ممن یحتج بحدیثہٖ یعنی حدیث میں نرم ہے، اور اس کی حدیث میں کوئی قوت نہیں ہوتی، اور یہ شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کی حدیث کو مسئلہ میں بطور حجت استعمال کیا جائے۔

❁ اور ابن خزیمہ کا تبصرہ بھی سن لیجئے فرماتے ہیں

لااحتج بہ لسوء حفظہ یعنی میں اس کی حدیث کو سند کے لائق نہیں جانتا، کیونکہ اس کا حافظہ بہت خراب تھا۔

❁ اور میزان الاعتدال جلد دوم ص ۶۸[1] ابن حبان فرماتے ہیں: **ردی الحفظ یجئی بالحدیث علی غیر سننہ فوجبت مجانبة اخبارہ** یعنی عبداللہ بن محمد بن عقیل کا حافظہ خراب تھا، حدیث کو غلط طریق پر بیان کرتا تھا ،پس اس کی حدیثوں سے کنارہ کرنا واجب ہوگیا ہے۔

نوٹ: عبداللہ بن محمد بن عقیل جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مسح کے اصل راوی ہیں ان کی یادداشت اچھی نہ تھی، اس لیے حدیث کے متن میں بہت خطا کر جاتے تھے، کچھ کا کچھ بیان کر دیتے تھے، جیسا کہ ابھی علمائے رجال حدیث کے تبصرہ جات سے معلوم ہوا تو اب کون صاحب ہوش ایسا ہے جو موصوف کی روایت کو لائق حجت سمجھے۔ شیعہ علماء کے استدلات کو جس قدر دیکھا گیا ہے سب اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

(۱) میزان الاعتدال جلد نمبر ۲ صفحہ ۴۸۴ طبع جدید سانگلہ ہل پاکستان

❁ دوسرا جواب : ❁

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا یہ ارشاد بطور تصدیق نہیں ہے بلکہ آپ کا یہ فرمان بطور امتحان اور بغرض تفتیش ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے ہم زمان علماء کے سامنے یہ چیز بطور امتحان رکھتے تھے کہ دیکھو بھائی آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تمام صحابی وضو میں پاؤں دھوتے ہیں، اور قرآن حکیم سے پاؤں کا مسح معلوم ہوتا ہے کیا یہ ہوسکتا ہے؟ کہ تمام صحابہ کرام قرآن کے برخلاف ہوں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تو وجہ تطبیق کیا ہے؟ امتحانی فقرے کو راویوں نے تصدیقی فقرہ بنا لیا اور یوں سمجھے کہ عبداللہ بن عباس کا مذہب یہی ہے، حالانکہ بات اس طرح پر نہ تھی۔

وَکَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلاً صَحِیْحاً　　وَآفَتُهُ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِیْمِ

بہت لوگ صحیح بات میں عیب نکالتے ہیں　　حالانکہ اپنے سمجھ کا پھیر ہوتا ہے!

❁ حضرت مولانا امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب الفوز الکبیر ص ۴۱ پر فرماتے ہیں:

"آنچہ پیش ابن عباس مقرر است ہمان غسل است لیکن اینجا اشکالے را تقریر بنمائیند واحتمالے را اظہار می کنند تابہ بیند

که علمائے عصر دریں تعارض چه نوع تطبیق مے دهند و کدام راه سلوک مے نمایند بعضے آنا نکه بر حقیقت روز مره سلف مطلع نه بودند .ایں را قول ابن عباس دانستند ومذهب او نهادند .حَاشَا ثُمَّ حَاشَا

جوحضرت ابن عباسؓ کے نزدیک مقرر ہے وہ غسل رجلین ہی ہے لیکن آپ اس موقع پرایک اعتراض کی تقریر فرماتے ہیں اورایک احتمال ظاہر کرتے ہیں اس لیے کہ دیکھیں کہ علمائے زمانہ اس تعارض کے جواب میں کس طرح تطبیق کرتے ہیں اورکون سے راستے پر چلتے ہیں ؟ بعض وہ لوگ جو کہ اسلاف کے محاورات کی حقیقت کونہیں جانتے تھے، اس کوابن عباسؓ کا تصدیقی قول اور آپ کا مذہب سمجھے اور کہا ،کہ ابن عباسؓ کا مذہب ہے ،آپ اس نسبت سے پاک ہیں ،پھر کہتا ہوں کہ آپ اس نسبت سے پاک ہیں۔''

❁ اس موقع پرسید محمود آلوسی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تبصرہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، دیکھوروح المعانی جلد ششم صفحہ ۷۷

" ومایزعمه الامامیة من نسبةالمسح الی ابن عباسؓ وانس بن مالکؓ وغیرهما کذب مفتریً علیهم فانّ احداً منهم ماروی عنه بطریقٍ صحیح انهٗ جوّز المسح .

اوروہ جو امامیہ کا گمان ہے کہ ابن عباسؓ اورانس بن مالکؓ وغیرہما پاؤں کا مسح کرتے تھے تو وہ سفید جھوٹ ہے جوگھڑکران بزرگوں پر باندھا گیا ہے اس لیے کہ ان بزرگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے صحیح سند کے ساتھ مسح روایت کیا گیا ہو۔''

❁ اسی طرح چند سطور کے بعد حضرت محمود صاحب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''ونسبة جواز المسح الی ابی العالیة وعکرمة والشعبی زور وبهتان ایضاً .

اور پاؤں کے مسح کے جائز ہونے کی نسبت جو ابو عالیہ اور عکرمہ اور شعبی کی طرف کی گئی ہے وہ سفید جھوٹ اور بہتان ہے۔''

تیسرا جواب

شیعہ بھائیوں کی ایک بڑی مشہور کتاب ہے جس کا نام ”من لایحضره الفقیه“ ہے، اس کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۳ پر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے: (طبع جدید جلد ۱ صفحہ ۲۵ تہران)

”عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال فرض اللہ الوضوء واحدةً واحدةً ووضع رسول اللہ للناس اثنتین اثنتین.

امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے فرمایا خدا تعالیٰ نے تو وضو ایک دفعہ فرض کیا، اور خدا کے رسول ﷺ نے لوگوں کے لیے دو دو دفعہ مقرر کیا۔“

یہ حدیث چونکہ شیعہ مذہب کے خلاف ہے کہ شیعہ مذہب میں جو اندام وضو میں دھوئے جاتے ہیں وہ صرف ایک ایک بار دھوئے جاتے ہیں، دو دو بار دھونا ان کے مذہب میں کوئی اچھا کام نہیں ہے، اور حدیث مذکورہ بالا وضو میں دو دو دفعہ دھونا ثابت کر رہی ہے۔ اس لیے شیخ صدوق جو کہ کتاب مذکور کے مصنف ہیں اس موقع پر ارشاد فرماتے ہیں کہ هذا علی جهة الانکار لاعلی جهة الاخبار: یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث جملہ خبریہ کے

طریق پر نہیں ہے بلکہ تعجب اور انکار کے طریق پر ہے۔

مراد امام کی یہ ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے ؟ کہ خدا تعالےٰ تو ایک ایک دفعہ دھونا فرض کریں اور اس کے رسول ﷺ دو، دو دفعہ دھونا مقرر کر دیں۔ پس اُمید ہے کہ جس طرح شیعہ حضرات نے شیخ صدوق کے اس جواب کو قبول کیا ہے ہماری طرف سے ابن عباس کی حدیث کے جواب میں یہی طرزِ جواب قبول کرلیں گے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ازراہ تعجب اور انکار فرمایا کرتے تھے کہ کیا یہ ہوسکتا ہے، قرآن سے پاؤں کا مسح ثابت ہوا، اور تمام صحابہ دھونے پر اصرار کریں۔؟

پس جو لوگ حقیقت حال سے واقف نہ تھے انہوں نے انکار اور تعجب کے اقرار اور تصدیق بنا ڈالا اور دنیا میں مشہور کر دیا کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مذہب وضو میں پاؤں کے مسح کرنے کا ہے، اگرچہ ہم نے اپنی تقریر کو لطیفے کا نام دیا ہے مگر حقیقت میں یہ ابن عباسؓ کی حدیث کا جواب سوم ہے۔

شیعہ کی تیسری دلیل:

مسئلہ تیمّم ہے، کیونکہ تیمّم کے اندر پاؤں کو سر کے ساتھ ملایا گیا ہے، وضو میں جو اندام دھوئے جاتے ہیں تیمّم میں ان کا مسح ہے اور وضو میں جو اندام مسح کئے جاتے ہیں، تیمّم میں ان کا مسح نہیں ہے، جیسا کہ وضو میں سر کا مسح ہے تو تیمّم میں

اس کا مسح نہیں ہے ٹھیک اسی طرح تیمم میں پاؤں کا مسح نہیں ہے تو اس کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟ بغیر اس کے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہوتا تو ضرور ہے کہ تیمم میں ان کا مسح فرض ہوتا۔

الجواب

جیسا تیمّم وضو کے قائم مقام ہوتا ہے ایسا ہی تیمّم غسل جنابت کے قائم مقام ہوتا ہے، جو شخص جنابت سے دوچار ہو جائے اور اس کو پانی نہ ملے یا استعمال نہ کر سکے تو بجائے غسل کے تیمّم کرتا ہے اور یہ تیمّم بھی اسی طرح پر ہوتا ہے جس طرح پر وضو کی جگہ ہوتا ہے۔ ذرہ بھر فرق نہیں ہے، پس شیعہ کی مذکورہ بالا دلیل چاہتی ہے کہ جنابت والا آدمی غسل میں چہرے کو اور دونوں بازوؤں کو دھویا کرے، باقی سارے بدن کا مسح کرے۔ کیونکہ تیمّم کے اندر جو اندام مسح کیے جاتے ہیں وہ اس کے اصل میں دھوئے جاتے ہیں اور تیمّم میں جو اندام مسح سے خارج کر دیئے جاتے ہیں وہ اس کے اصل میں مسح کیے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ غسل جنابت میں چہرے اور بازوؤں کے علاوہ تمام بدن کو خوب دھویا جاتا ہے تو غسل جنابت کا جو تیمّم قائم مقام ہے۔ اس نے بتلا دیا کہ شیعہ کا قیاس باطل ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو اندام تیمّم میں مسح کیے جاتے ہیں وہ اصل میں دھوئے جاتے ہیں اور تیمّم میں جو اندام مسح سے خارج کر دیئے جاتے ہیں وہ اصل میں مسح کیے جاتے ہیں۔ شیعہ دوستوں نے وضو اور تیمّم کو سامنے رکھ کر ایک

قاعدہ تیار کیا، مگر افسوس کہ اسی آیت میں غسل جنابت کا تیمّم موجود تھا، ادھر سے دونوں آنکھیں بند کر لیں یا پھر بیچاروں کو نظر نہیں آیا۔

ایک لطیفہ

شیعہ مبلغین امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جب پروپاگنڈا کرتے ہیں تو قیاس کی خوب مذمت اور برائی بیان کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس کو ٹھہراتے ہیں اور اس کے بعد تمام قیاس کرنے والوں کو ابلیس کا پیروکار بناتے ہیں اور اس پر خوب بغلیں بجاتے ہیں، وضو میں پاؤں کے مسح کے ثابت کرنے کے لیے آخر شیعہ بھائیوں نے بھی قیاس سے کام لیا اور وضو کو بھی تیمم پر قیاس کیا، مگر افسوس کہ قیاس کرتے وقت تصویر کے ایک رخ کو دیکھا اور اس کے دوسرے رخ کا دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ مراد میری اس سے ہے کہ وضو کے تیمم کو دیکھتے رہے اور غسل جنابت کے تیمم کی طرف نظر نہ گئی سچ ہے جس کا کام اسی کو ساجے۔ انہیں اتنی بھی خبر نہیں کہ قیاس منصوص میں ہوتا ہے یا کہ غیر منصوص میں اس کی ضرورت ہوتی ہے ؟ وضو کے باب میں پاؤں کا دھونا منصوص ہے، جیسا کہ ابھی آتا ہے اور یہ لوگ نص کے مقابلے میں قیاس پیش کر رہے ہیں، کہیں وہ ہی بات نہ ہو جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف خود کہا کرتے ہیں۔

اہلسنت والجماعت کے دلائل :

❁ **پہلی سُنّی دلیل** : وضو میں پاؤں دھونے کی فرضیت قرآن حکیم سے ثابت ہے، خداوند تبارک وتعالیٰ سورۃ مائدہ میں فرماتے ہیں :

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ
فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ
وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ .

اے ایمان والو جس وقت نماز کے لیے تیار ہو جاؤ تو اپنے چہروں کو اور اپنے اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو، اور اپنے اپنے سروں کا مسح کرلو اور اپنے اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔"

تشریح : آیت ہذا میں وَاَرْجُلَکُم جو پاؤں کے معنے دیتے ہے معطوف ہے اور چونکہ اس کے آخری حرف یعنی لام پر زبر ہے اس لیے اس کا عطف ضرور اَیْدِیَکُم پر ہے۔ کیونکہ اس میں بھی آخری حرف یعنی یائے دونقطیہ پر زبر ہے، پہلے خوب واضح ہو چکا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں ایک طرح پر ہوا کرتے ہیں۔ جب وَاَرْجُلَکُم کا عطف اور تعلق اَیْدِیَکُم کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی خوب ثابت ہو گیا کہ جیسے وہ دھوئے

جاتے ہیں، اسی طرح یہ بھی دھوئے جائیں گے، کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف دونوں ایک ہی فعل سے تعلق رکھتے ہیں اور یہاں وہ فعل دھونے کا فعل ہے۔ پس قرآن کریم کی نص صریح سے ثابت ہو گیا، کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔

شیعی اعتراض

اس دلیل پر شیعہ کی جانب سے جو اعتراض کیا گیا ہے اور جسے یہ لوگ مدت ہائے دراز سے بیان کر رہے ہیں وہ بُعد اور قرب کا ہے۔ کہتے ہیں کہ رُؤُوسِکُم نزدیک ہے اس لیے وہ معطوف علیہ بننے کے قابل ہے اور اَیْدِیَکُم دور ہے اس لیے وہ معطوف علیہ بننے کے لائق نہیں ہے۔

❁ الجواب ❁

شیعہ معترضین نے عرب کی زبان کو اپنی زبان پر قیاس کر لیا ہے، عرب کی زبان کے علاوہ دنیا کی جس قدر زبانیں ہیں ان میں عطف نزدیک پر ہوتا ہے دور پر نہیں ہوتا، برخلاف ان کے عرب کی زبان ایک ایسی زبان ہے جس میں عطف جیسا کہ نزدیک پر ہوتا ہے ایسا ہی دور پر بھی ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ عرب زبان حرکات یعنی زبر، زیر، پیش، سکون، تنوین کے زیور سے آراستہ ہے، یہ زیورات معنے میں گڈمڈ ہونے نہیں دیتے اور باقی زبانیں اس قسم کے زیورات سے عاری ہیں اس لیے ان میں عطف اگر دور پر ہو تو معانی میں گنجلک پیدا ہو جاتی

ہے ،اور فاعلیت اور مفعولیت کا کوئی پتہ نہیں چلتا ۔اور عربی زبان میں عطف چاہے جس قدر دور پر ہو معنے میں کوئی دقت پیدا نہیں ہوتی کہ زبر، زیر، پیش معانی کے محافظ اور پہرہ دار موجود ہیں ۔قرآن حکیم کے اندر بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں جہاں عطف دور پر ہے ۔اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مضمون میں صرف ایک مثال پر اکتفاء کی جاتی ہے ۔آٹھویں پارہ کی سورۂ اعراف ملاحظہ ہو حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ شروع کیا تو فرمایا :لقد ارسلنا نوحاً الی قومہ اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے قصے یکے بعد دیگرے ذکر فرمائے ہیں اور سب کا عطف نوح علیہ السلام پر کیا ہے ،اسی واسطے جملہ اَرسَلنا دوبارہ ذکر نہیں فرمایا ۔اب ناظرین با انصاف سے انصاف کی طلب ہے قرآن کھول کر دیکھیں معطوف اور معطوف علیہ میں کس قدر دوری ہے ،کیا اَرجُلکُم اور اَیدِیکُم میں زیادہ فاصلہ ہے؟ یا کہ شُعَیباً اور نُوحاً میں زیادہ مسافت ہے ؟

ہاں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جس وقت عطف دور پر ہو تو جو چیز اجنبی درمیان میں آ گئی ہے اس کا کوئی نہ کوئی نکتہ بیان کرنا ضروری ہے سو یہاں مغسولات کے مابین مسح کا ذکر وضو کی ترتیب میں سمجھانے کے لیے ہے ۔

دوسری سُنّی دلیل : فروغ کافی جلد اول ص ۱۲ مطبوعہ طہران واستبصار جلد اول ص ۲۸ (طبع جدید جلد ۱۹، صفحہ ۴۷)

"عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان نُسیت فغسلت ذراعیک قبل وجھک فاعد غسل وجھک ثم اغسل ذراعیک بعد الوجه فان بدءت بذراعک الایسر قبل الایمن فاعدغسل الایمن ثم اغسل الیسار وان نسیت مسح راسک حتیٰ تغسل رجلیک فامسح رَاسَکَ ثُم اَغسِل رِجلیکَ .

حضرت امام جعفر صادقؓ فرماتے ہیں اے مخاطب اگر تو بھول جائے اور چہرے سے پہلے دونوں بازو دھو بیٹھے، پس چہرے کو دوبارہ دھولو، اس کے بعد دونوں بازوؤں کو دھولو، پھر اگر دائیں بازو سے پہلے بائیں بازو دھو بیٹھو ،تو دوبارہ پہلے دائیں بازو اور اس کے بعد بائیں بازو دھولو اور اگر تو سر کا مسح بھول جائے یہاں تک کہ دونوں پاؤں دھو بیٹھے تو پہلے سر کا مسح کرلو ،اس کے

بعد دونوں پاؤں کو دھولو۔"

نوٹ : حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث وضو میں پاؤں دھونے پر نص صریح ہے، جو شخص حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عقیدت مندی رکھتا ہے، اس کے لیے مجال انکار نہیں ہے۔

۞ تیسری سُنّی دلیل : دیکھو فروع کافی جلد اول مطبوعہ تہران صفحہ ۱۰

(فروع کافی طبع جدید جلد ۳، صفحہ ۲۹ تہران)

"عن ابی جعفر علیه السلام قال سئلتهٗ من الاقطع الید و الرجل قال یغسلهما. امام محمد باقرؒ سے مروی ہے میں نے آپ سے ہاتھ کٹے اور پاؤں کٹے ہوئے کے بارے سوال کیا ارشاد ہوا کہ ہاتھ بھی دھووے اور پاؤں بھی دھووے۔

تشریح : اَقْطَعُ الیَدِ وہ شخص ہے جس کا ہاتھ کہنی سے آگے کٹ گیا ہے، سوال یہ ہے کہ وضو میں جب بازو کا کہنی تک دھونا فرض ہے تو جس کے بازو نہیں ہے وہ کس طرح وضو کرے، حضرت امام نے فرمایا کہ جہاں سے ہاتھ کٹا ہوا ہے اس مقام کو دھویا کرے۔ اور اَقْطَعُ الرِّجل وہ شخص ہے جس کا پاؤں ٹخنے سے نیچے کٹ گیا ہے، سوال یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے، اور جس کے

پاؤں نہیں وہ کیا کرے، حضرت امام نے ارشاد فرمایا کہ جہاں سے پاؤں کٹا ہوا ہے اس مقام کو دھولے بس وضو ٹھیک ہے۔ اگر امام رضی اللہ عنہ کے نزدیک پاؤں کا مسح فرض ہوتا تو سائل کو ارشاد فرماتے کہ جہاں سے پاؤں کٹا ہوا ہے وہاں پر مسح کرلے۔

۞ امام پنجم حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی وضو میں پاؤں دھونے کے لیے نص صریح ہے۔ ۞

۞ چوتھی سُنّی دلیل : ملاحظہ و استبصار جلد اول صفحہ ۳۴

(طبع جدید جلد اول صفحہ ۶۵، ۶۶ تہران)

"عن محمد بن الحسن الصفار عن عبدالله بن المنبه عن الحسین بن علوان عن عمرو بن خالد عن زید بن علی عن اٰبائه عن علیّ علیه السلام قال جلست اتوضا فاقبل رسول الله ﷺ حین ابتدءت فی الوضوء فقال لی تمضمض و استنشق و استن ثم غسلت وجهی ثلاثاً فقال یجزیک من ذلک المرتان قال فغسلت ذراعی فمسحت براسی مرّتین فقال

قد یجزیک من ذلک المرة وغسلت قدمی فقال لی یاعلیّ خلک بین الاصابع لاتخلل بالنّار .

محمد بن حسن صفار عبداللہ بن منبہ سے روایت کرتا ہے وہ حسین بن علوان سے وہ عمر بن خالد سے وہ زید بن علی سے وہ اپنے باپ دادا سے وہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: فرمایا میں وضو کے لیے بیٹھا تھا کہ خدا کے رسول ﷺ تشریف لائے جس وقت میں نے وضو شروع کیا، تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کلی کر اور ناک میں پانی ڈال اور مسواک کر اس کے بعد میں نے تین دفعہ اپنے چہرے کو دھویا تو آپؐ نے فرمایا دو ہی دفعہ کفایت کر جاتا ہے، پھر میں نے دونوں بازوؤں کو دھویا، پھر دو دفعہ سر کا مسح کیا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا، ایک ہی دفعہ کافی ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اور میں نے دونوں قدم دھوئے تو آپؐ نے فرمایا اے علی انگلیوں میں خلال کر، ان میں آگ سے خلال نہیں کیا جائے گا۔"

تشریح : حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ وضو کرنے والے ہیں

اور آنحضور ﷺ نگرانی کرنے والے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: جب میں نے دونوں پاؤں دھوئے تو آں حضور ﷺ نے خلال کرنے کی تاکید کی، اور ساتھ خلال نہ کرنے کی صورت میں جو وعید آتی ہے وہ بھی بیان فرمادی کہ اگر پاؤں کی انگلیوں کا خیال نہ کرو گے تو قیامت کے دن دوزخ کی آگ ان کا خلال کرے گی، اس موقع پر قارئین کرام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کا خلال نہ کرنے کی صورت میں جو وعید آئی ہے یہ تو بہت بھاری وعید ہے اور قصور معمولی اور ہلکا سا ہے، مگر جب مسئلہ کی نزاکت کو خیال میں لائیں گے تو یہ شبہ فی الفور کافور ہوجائے گا، یہ انگلیوں کا خلال مسنون ہے مگر یاد رہے کہ وضو میں جس قدر سنتیں ہیں وہ فرائض کی تکمیل کرتی ہیں، پاؤں دھونا فرض ہے اور اگر پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کوئی جگہ خشک رہ جائے، تو یہ فرض ادا نہیں ہوگا، اور تمام وضو بے کار اور بے فائدہ ہوجائے گا، اس لیے یہ وعید ترک سنت پر نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ وعید نقصان فرض پر ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ کی یہ حدیث بھی وضو میں پاؤں دھونے پر نص صریح ہے اور یہ حدیث بظاہر ایک دلیل ہے، مگر حقیقت میں یہ دو دلیلیں ہیں، کیونکہ حضرت علیؓ کا عمل ایک مستقل دلیل ہے اور آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تصدیق دوسری مستقل دلیل ہے۔

یہ ہیں اہل سنت والجماعت کے پانچ دلائل جن میں خدا کی کتاب

نمبر اول ہے اور اس کے بعد حضرت امام محمد باقرؒ اور حضرت امام جعفر صادقؒ اور علی المرتضےٰؓ اور جناب رسول خدا ﷺ کی احادیث مقدسہ ہیں۔ ناظرین کرام ہی انصاف سے کہہ دیں کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اور اہل بیت کی احادیث جبکہ اہل سنت کے حق میں ہیں تو شیعہ کا پروپیگنڈا کہ یہ لوگ اہل بیت کے دشمن ہیں اور ان کے مذہب کے برخلاف ہیں کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔

بروز حشر شود ہم چو روز معلومت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

عقل کی تائید

آدمی کے اعضاء میں سے وہ عضو جو زمین سے نزدیک ہے اور جس پر ہر وقت مٹی پڑتی رہتی ہے، اور جو ہر قسم کی نجس اشیاء سے ملوث ہوتا رہتا ہے، وہ پیر ہے، اگر وضو میں اس کے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو پھر چہرے اور بازوؤں کے دھونے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو زمین سے دور رہتے ہیں اور پلید چیزوں سے ان کے ملوث ہونے کے امکانات ان میں بہت کم پائے جاتے ہیں، جب چہرے اور بازوؤں کا دھونا فرض ہے تو پاؤں کا وضو میں دھونا تو بطریق اولی فرض ہونا چاہیے، شیعہ بھائی اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ تمام احکام شرعیہ کی مدار

عقل پر ہے، اور عقل ہی شریعت کا قطب ہے اصول کافی ص ۲۔ پس تعجب ہے کہ وضو کے باب میں آ کر عقل سے کیوں انحراف کیا ہے؟ کیا میرے شیعہ بھائیوں کے نزدیک وضو احکام شریعت میں سے نہیں؟ تو پھر عقل سے کنارہ کشی اپنے اصول موضوعہ کے خلاف ہوگی۔

ایک لطیفہ

پاؤں کا ملوث ہونا ایک ایسی چیز ہے کہ جس نے پھر پھرا کر شیعہ کو پاؤں دھونے پر مجبور کر دیا ہے، عموماً آپ دیکھیں گے کہ شیعہ بھائی جب وضو کرنے لگتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے پاؤں دھو لیتے ہیں، کتب شیعہ دیکھو تو پاؤں کا دھونا نہ سنت ہے نہ مستحب ہے بلکہ بعض روایات سے ان کی معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا منع ہے۔ مگر عوام شیعہ مجبور ہیں کہ پاؤں کو دھوئیں، کیونکہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ پاؤں کے ساتھ مٹی لگی ہوئی ہے اور پاؤں ملوث ہے تو ان کا دل گوارا نہیں کرتا کہ اسی حالت میں نماز پڑھ لیں۔ یہ ہے فطرت کی آواز اور یہ ہے عقل کا تقاضا۔ اگر کوئی شیعہ انصاف کرے، تو اسی ایک مسئلہ سے شیعہ مذہب کا غلط ہونا سمجھ سکتا ہے بھلا وہ بھی کوئی آسمانی مذہب ہوسکتا ہے جو عبادت کے لیے چہرے اور بازوؤں کے دھونے کا حکم دے اور پاؤں کو آزاد کر دے؟

اختلاف ششم

تین دفعہ دھونے کا مسئلہ: اہل سنت والجماعت کے یہاں جو اندام دھوئے جاتے ہیں وہ تین تین دفعہ دھوئے جاتے ہیں ایک ایک دفعہ دھونا فرض اور تین تین دفعہ دھونا مسنون ہے، چہرہ دھوتے ہیں تو تین دفعہ اور پاؤں دھوتے ہیں تو پورے تین دفعہ، مگر شیعہ حضرات اس مسئلہ میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ ایک دفعہ دھونے چاہئیں، تین تین دفعہ ہرگز نہ دھونا چاہئے، اگر کوئی شخص تین تین دفعہ دھوئے گا تو وہ سخت گناہ گار ہوگا، البتہ دو دو دفعہ دھونے میں شیعہ علماء باہمی اختلاف رکھتے ہیں کچھ مجتہد ان کے دو دو دفعہ دھونے کو جائز جانتے ہیں، مگر شیخ صدوق جیسے محقق علمائے شیعہ دو دو دفعہ دھونے کو بھی گناہ جانتے ہیں، اس مسئلہ میں شیعہ علماء کی خدمت میں ایک عرض ہے جو خاص لائق توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں داخل کرنا ان کے نزدیک مسنون ہیں اور کلی بھی تین دفعہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ناک میں پانی داخل کرنے کا بھی تین تین دفعہ دیتے ہیں اور چہرہ دھونا فرض ہے اور بازوں دھونے فرض ہیں، انہوں نے کیا قصور کیا ہے کہ تین تین دفعہ دھونا منع ہوگیا، اور بقول شہید ثانی دو دفعہ دھونا مسنون ہوا، اور بقول شیخ صدوق دو دو دفعہ دھونا بھی گناہ ہوگیا، خدا نہ بھلائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح چہرے اور پاؤں

دھونے کے دھونے اور مسح کرنے میں عقل سے بے پروائی برتی گئی تھی اسی طرح یہاں بھی کلی کرنا تو تین دفعہ ارشاد فرمایا اور چہرہ دھونا جو کہ فرض تھا صرف ایک دفعہ۔ دیکھو **من لایحضرہ الفقیہ** جلد اول ص ۱۴: (طبع جدید جلد ۱، ص ۲۵ تہران)

"وقال الصادق علیه السلام والله ما كان وضوء رسول الله ﷺ الا مرة مرة

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم نہیں تھا رسول اللہ ﷺ کا وضو مگر ایک دفعہ۔"

نوٹ: حدیث مذکورہ بالا کو شیخ صدوق نے معمول بہ قرار دیا ہے اور جن احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اعضاء دھونے کے قابل ہیں، انہیں دو دو دفعہ دھویا جائے، ان احادیث کی تاویلات سے شیخ صدوق نے اپنی کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" کو مزین کیا ہے۔